ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.4,Issue No.1(2022)
(January to June)

میر تقی میرؔ کی شاعری میں عشق و جنوں: ایک تنقیدی مطالعہ

Mir Taqi Mir is Love and Demons in Poetry: A Critical Study

محمد شوکت علی
لیکچرار، شعبہ اُردو، اسپائر کالج مناواں، لاہور

Abstract:

In this article, a critical review of the poems related to love and weight in the poetry of Mir Taqi Mir has been presented. The greatness of his personality and thought is evident in Urdu literature. Everyone is fascinated by his poetic meaning. In his poetry "love and jinn" is one such aspect which has elevated his poetic aspects. Love reflects the concepts and ideas of universal universality and Mir had made love his veil in his early days. This promoted the real symbolism of life in his poetry and he reached a high level of fame. In his case, the aspects of virtual, real and abstract concepts of love are prominent. In abstract concepts, love is centered on universe and the attribute of God. Mir creates a universal state between jinn and love. The colors of his love are diverse and the moods of longing, loyalty, need and emotion are prominent in them.

Key Words: Mir Taqi Mir, Critical Review, Poetic, Meaning, Universality, Love and Jinn, Symbolism, Prominent.

اردو ادب میں میر تقی میرؔ کی شخصیت اور فکر و فن کی عظمت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ ان کی شعری معنویت کا ہر کوئی گرویدہ ہے۔ ان کی شاعری میں "عشق و جنوں" ایک ایسا پہلو ہے جس نے ان کی شعری جہات کو بلند سے بلند تر کر دیا۔ عشق میں آفاقی ہمہ گیریت کے تصورات و نظریات کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور میرؔ نے اپنے ابتدائی دور میں ہی "عشق" کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ عشق کے ضمن میں میرؔ کے والد علی متقی اپنے بیٹے میر سے کہا کرتے تھے کہ: "بیٹا عشق اختیار کرو، عشق ہی اس کارخانے میں متصرف ہے۔ اگر عشق نہ ہوتا تو نظم کل قائم نہ رہ سکتا تھا۔ بے عشق زندگی وبال ہے۔ عشق میں جی کی بازی لگا دینا کمال ہے۔ عشق بناتا ہے، عشق ہی کندن کر دیتا ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے عشق کا ظہور ہے۔ آگ عشق کی سوزش ہے۔ پانی عشق کی رفتار ہے، خاک عشق کا قرار ہے، ہوا اس کا اضطرار ہے، موت عشق کی مستی، زندگی عشق کی ہوشیاری ہے رات عشق کی کا خواب اور دن عشق کی بیداری ہے۔" میر تقی میرؔ کے والد کی عشق اپنانے کی اس کاوش نے ان کی شخصیت کو مستحکم کرنے اور عشق کے ارتکازی و جذبی تصورات کو پیش کیا۔ اس طرح ان کی شاعری میں زندگی کی اصل رمزیت کی ترویج ہوئی اور وہ شہرت کی بلند سطح کو پہنچ گئے۔ عشق میں مجازی و حقیقی اور تجریدی تصورات کے پہلو نمایاں ہیں۔ تجریدی تصورات میں عشق روح کائنات اور خدا کی صفت سے مرکوز ہے۔ انھوں نے تجریدی تصور میں عشق کو خدا لکھا ہے اور خدا کی صفات کو بھی خدا کہا جاتا ہے۔ عشق کے ضمن میں میر تقی میرؔ فرماتے ہیں:

راہ دور عشق میں رونا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا(۱)
جامئہ مستی عشق اپنا مگر کم گھیر تھا

دامن تر کا مرے دریا ہی کا سا پھیر تھا(۲)

میرؔ عشق کی وجدانی کیفیات کو ہم آمیختہ رکھتے ہیں اور وہ عشق حقیقی اور مجازی کے درمیان واضح دائرے اور خطوط کھینچتے ہیں۔ عشق مجاز میں مرکزی نقطہ ''نفس واحد'' ہے جسے ''حسن'' کہتے ہیں۔ ''جنوں'' ایک ایسا دائرہ ہے جو محیط کل یعنی عشق الہیٰ کے تناظر میں پیش کیا جاتا ہے۔ میرؔ جنوں اور عشق مجاز کے درمیان ایک آفاقی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ ان کے عشق کے رنگ متنوع ہیں اور ان میں حسرت و اندواہ، وفا، نیاز اور جذبات کی کیفیات نمایاں ہیں۔

میر تقی میرؔ اردو ادب کے ایک قد آور اور بلند وسعت نظر کے شاعر ہیں۔ شاعری میں بنیادی طور پر ان کا اہم کارنامہ اردو کی صنف غزل پر مشتمل ہے۔ غزل پر ان کے چھ دواوین پر مشتمل ایک ضخیم کلیات ہے جو اردو ادب میں نمایاں مقام کا حامل ہے۔ اردو ادب کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں فارسیت سے بھی لگاؤ کی نشان دہی ہوتی ہے۔ فارسی میں ''نکات الشعرا'' جو شعرائے اردو کا تذکرہ ہے، ایک اہم نوعیت کی تصنیف ہے۔ ''ذکر میر'' اور رسالہ ''فیض میر'' فارسی نثر کی نمائندہ کاوشیں ہیں۔ فارسی میں غزلیات پر ایک مکمل دیوان، ان کی فارسی زبان میں ادبی خدمات کو اجاگر کرتی ہے۔ میر تقی میرؔ نے شعری اصناف مثنوی، قصیدہ، مرثیہ اور رباعی وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے، لیکن ان کی شہرت کا الم صنفِ غزل نے ہی بلند کیا ہے۔ غزل میں میں ان کے کیف آور، شور انگیز اور وجد آفرین اشعار نے ''تیر و نشتر'' کی تعبیرات کو قائم کیا ہے۔ غزل میں میرؔ کے ۲۷ نشتر بھی مشہور ہیں، لیکن ان سے مراد یہ نہیں ہے کہ میرؔ کے صرف (۲۷) اشعار ہی اچھے ہیں۔ میرؔ کی شعری معنویت کا اعتراف مرزا غالب جیسا شاعر بھی کرتا ہے۔ اس ضمن میں نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ''میر تقی میرؔ کو ''خدائے سخن'' کہا گیا ہے۔ اردو کے عظیم اور لازوال شاعروں کی کتنی ہی مختصر فہرست بنائی جائے وہ میرؔ کے نام سے خالی نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر سوال یہ ہو کہ اردو کا سہا بڑا شاعر کون ہے تو ممکن ہے بعض لاگ مرزا غالب کو پہلا نمبر دیں۔ مگر خود مرزا غالب نے بھی میرؔ کی استادانہ عظمت اور فن کارانہ صلاحیت کا اعتراف کیا ہے:

ریختے کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا
میرؔ کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں(۳)

میر تقی میرؔ کی شاعری میں عشق و جنوں کی کیفیات نمایاں ہیں۔ دنیا کا ظہور بھی عشق سے مربوط ہے، عشق میں آفاقی عنصر کی رمزیت کار فرما ہوتی ہے۔ عشق کی رمزوں کی آمیزش نے میر تقی میرؔ کو آفاقی شاعر کی صف میں شامل کر دیا ہے۔ ان کے جذبات و خیالات میں وسعت نظر اور عالم گیریت کی ہم آہنگی موجود ہے۔ آفاقی شاعر کسی ایک عہد اور ایک خطے کے لیے مخصوص نہیں ہوتا بلکہ اس کے افکار و نظریات تمام جہاں کے انسانوں کے لیے یکساں نوعیت کے ہوتے ہیں۔ وہ زماں و مکاں سے بالاتر ہو کر کسی ایک گروہ، ایک قوم اور ایک ملک کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ اس کا مقصد ساری انسانیت کی فلاح و بہبود، اصلاح و تربیت اور بلند ہم آہنگی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اس کا فرمایا ہوا

کسی ایک انسان کے لیے نہیں بلکہ ہر عہد کے انسان کے لیے کار فرما ہوتا ہے۔ میر تقی میرؔ کی شاعری میں آفاقیت، فطرت نگاری اور انسانیت سے عشق و جنوں کی کیفیات نے انھیں اردو میں سرتاج شعرا ے بنا دیا ہے۔ ان کی فطرت سے عشق و جنوں کے عالم نے شاعری میں کمال اوج پیدا کیا ہے اور اسی وجہ سے اردو میں فصاحت کی کار فرئی نے زندہ و جاوید بنا دیا ہے۔ اس ضمن میں مولوی عبد الحق رقم طراز ہیں:

> "شاعری میرؔ صاحب کی زندگی کا جز تھی یا فطرت نے انھیں اسی سانچے میں ڈھالا تھا۔ ان کا احسان اردو زبان پر تا قیامت قائے رہے گا اور ان کے کلام کا لطف کبھی کم نہ ہو گا۔"(۴)

میر تقی میرؔ کی شاعری میں عشق و جنوں کی لہروں کی کار فرمائی جاری رہتی ہے۔ ان کے ہر دیوان میں عشق سے متعلق اشعار مل جاتے ہیں۔ ان کو راہ عشق کی کٹھن دشوایوں کا بھی اندازہ ہے۔ عشق میں رونا، غم جاناں، سنگ سخت، اندیشہ راحت، درد و داغ، رسوائی اور ناحق تلفی جیسی واردات عام ہیں۔ ان تمام دکھ و درد کی کیفیات کے باوجود میر تقی میر عشق کی طرف راغب ہوتے ہیں اور وہ عشق کرنے میں ہی اپنی کامیابی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ ان کے دیوان اوّل سے چند اشعار ملاحظہ کریں:

غلط ہے عشق میں اے بوالہوس اندیشہ راحت
رواج اس ملک میں ہے درد و داغ و کلف کا(۵)
تیرے عشق میں آگے سودا ہوا تھا
پر اتنا بھی ظالم نہ رسوا ہوا تھا(۶)
کیا کہیے عشق حسن کا آپ ہی طرف ہوا
دل نام قطرہ خون یہ ناحق تلف ہوا(۷)
]

میر تقی میرؔ ماضی کی عشق کی واردات سے خوب واقف ہیں۔ انھیں عشق کے آزار کا بھی پتا ہے کہ عاشق دنیا میں جی تو رہا ہوتا ہے ، لیکن اس کی زندگی ایک بیمارِ عشق کی طرح ہوتی ہے۔ عشق میں دل خون کے آنسو روتا ہے اور دل رنج و غم کی صورت میں گنوایا دیا جاتا ہے۔ میر تقی میرؔ اپنے رب سے التجا کرتا ہے کہ: اے رب تن آدمی میں دل ہی نہ بنایا جاتا اور اگر بنا ہی دیا تھا تو اس کے درمیان عشق کو نہ لایا جاتا۔ اس ضمن میں میر تقی میر کے دیوان دوم سے اشعار دیکھیے:

بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا
جیتا رہا ہے کوئی بھی بیمار عشق کا(۸)
دل عشق میں خوں دیکھا آنکھوں کو کیا دیکھا
پیغبر کنعاں نے بھی دیکھا نہ کہ کیا دیکھا
کہہ دل کو گنوایا ہے یا رنج اٹھایا ہے
اے میرؔ تجھے ہم نے کچھ آج خفا دیکھا(۹)
عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا

یا تن آدمی میں دل نہ بنایا ہوتا(۱۰)

میر تقی میرؔ کے دیوان سوم میں بھی عشق سے مربوط غزلیات شامل ہیں، جن میں عشق سے متعلق جذبات و احساسات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ میر تقی میر عشق میں صبر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ صبر کرنے والا اللہ پاک کی نظر میں بہتر سمجھا جاتا ہے اور صبر ہی عشق میں آخری چارہ جوئی ہے۔ عشق مجازی ہو یا پھر عشق حقیقی، اس میں رنج و غم اور دشواریاں ضرور ملتی ہیں۔ عشق میں مشکلات اور پیچیدگیاں لاحق نہ ہو تو وہ عشق صحیح درجات کو نہیں پہنچ سکتا۔ محبوب کی عدم توجہ اور کم نگاہی عاشق پر بہت بھاری ہوتی ہے۔ اس طرح عاشق زخموں سے چور دربدر، مارامارا اور بے بسی کے عالم میں اس دنیا کے کارواں میں پھر رہا ہوتا ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیات میرؔ کے ساتھ بھی درپیش ہیں۔ میرؔ کے دیوان سوم سے اشعار ملاحظہ کریں:

ہے عشق میں صبر نا گوارا
پھر صبر بن اور کیا ہے(۱۱)
کیا ہے عشق جب سے میں نے اس ترک سپاہی کا
پھروں ہوں چور زخمی اس کی تیغ کم نگاہی کا(۱۲)

میر تقی میرؔ کی غزلوں میں عشق آور اشعار کی آمیزش ہے۔ ان کے ہاں رفتہ عشق میں انسان مادی طور اس دنیا میں رہتا ہے، لیکن روحانی طور پر یہاں سے خارج ہو جاتا ہے۔ رفتہ عشق میں غموں کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور جہاں آنکھیں پر نم رہتی ہیں وہاں حالاتِ زندگی درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے۔ عشق ایک ایسی بیماری ہے جس میں دل زخم خوردہ رہتا ہے اور جسم جیتے ہوئے بھی مردہ انسان کی طرح زرد رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس میں آفتیں، مصیبتیں اور مصائب درپیش رہتے ہیں۔ میر تقی میرؔ کے دیوان چہارم میں ایسی کی کیفیات کی ترجمانی کی گئی ہے:

رفتہ عشق کیا ہوں میں اب کا
جا چکا ہوں جہان سے کب کا(۱۳)
کیا عشق سو پھر مجھے غم رہا
مژہ نم رہیں حال درہم رہا
عشق کی ہے بیماری ہم کو دل اپنا سب درد ہوا
رنگ بدن میت کے رنگوں جیتے جی ہی پہ زرد ہوا(۱۴)

میر تقی میرؔ کی غزلوں میں عشق سے متعلق باکثرت اشعار مل جاتے ہیں۔ ان کے ہر دیوان میں عشق و جنوں کی کارفرمائی نمایاں ہے۔ عشق ہی عالم میں باعث عزت اور رسوائی کا سبب ہے۔ اسی سے خدائی تک پہنچنے میں راہ ہموار ہوتی ہے اور منزل مقصود کو پایا جاتا ہے۔ عشق کا دل کے ساتھ بہت گہرا رشتہ ہے، ناکامیوں اور محرویوں میں دل ہی کو تمام مصائب کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ میر تقی میر نے عشق اپنا کر اپنی

شہرت کو دوام بخشا ہے اور اسی کی وساطت سے وہ اردو ادب ہمیشہ کے لیے زندہ و جاوید ہو گئے ہیں۔ شعر و سخن میں غزل نے انھیں بلند مقام عطا کیا ہے۔ اس ضمن میں بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق بھی کہتے ہیں: ''میر صاحب کی شہرت اُن کے شعر و سخن بلکہ غزل کی وجہ سے ہے۔''(۱۵)

شاعری کا ادب میں اہم مقام ہے اور بڑا ادب وہی ہوتا ہے جس میں وسیع لسانی شعور، درد مندی اور خلاق متخیلہ کی تشکیل نمایاں ہوتی ہے۔ انھیں اوصاف کی کار فرمائی سے بڑا ادیب اور بڑا شاعر بنتا ہے۔ میرؔ کی شاعری میں بھی ایسے ہی اوصاف پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ بڑے شعرا کی فہرست میں شامل کیے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

> ''انھی بڑے شاعروں میں میر کو بھی شمار کیا جاتا ہے جن کی شاعری لا عصریت یا ہر عہد کی معاصرت کے لازوال عناصر اپنے اندر سموئے اور سمیٹے ہوئے ہے۔ اس ہمہ عصر روح شاعری کے باطن میں ان کے عشق اور تصور عشق کی کار فرمائی صاف دیکھی جاسکتی ہے جو کسی ثنویت سے ماورا بیک وقت جسمانی بھی ہے روحانی بھی۔''(۱۶)

عشق کرنا کوئی آسان فعل نہیں ہے۔ جس کو یہ مرض لاحق ہوتا ہے اس کی صبح و شام، دن اور رات سب تمام ہو جاتی ہیں۔ عشق و جنوں میں سب سے زیادہ ''دل'' کی شامت آتی ہے۔ دل خون کے آنسوؤں میں مبتلا رہتا ہے جس سے سارا جسم نیم جاں کی صورت میں زندہ دکھائی دیتا ہے۔ اس ضمن میں میر تقی میرؔ کے دیوان پنجم اور دیوان ششم سے اشعار ملاحظہ کریں:

کیا کیا عشق میں رنج اٹھائے دل اپنا سب خون ہوا
کیے رکتے تھے خفگی سے آخر کار جنون ہوا(۱۷)
میں رنج عشق کھینچے بہت ناتواں ہوا
مرنا تمام ہو نہ سکا نیم جاں ہوا(۱۸)

زیر نظر مقالہ میں میر تقی میرؔ کے کلیات سے ان کے عشق و جنوں سے متعلق اشعار کو لیا گیا ہے۔ ان اشعار میں عشق کی معنویت کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان کے ساری کلیات میں ''عشق و جنوں'' سے متعلق بہت سے اشعار پائے جاتے ہیں، لیکن یہاں ردیف ''الف'' کے حوالے سے اشعار کو شامل کیا گیا ہے۔ یہاں جتنے بھی اشعار کو شامل کیا گیا ہے، اُن میں ردیف ''الف'' کا استعمال ہے۔ اسی طرح کلیات میر میں دوسرے حروف تہجی کو بھی بطور ردیف ''عشق و جنوں'' کے اشعار کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر (جلد اول)، مرتب: ظل عباس عباسی، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۳ء، ص: ۲۱۰

۲۔ ایضاً، ص: ۱۸۴

۳۔ میر تقی میرؔ، نثار احمد فاروقی، نئی دہلی: قومی کونسل برائے اردو زبان، دوسرا اڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۱

۴۔ انتخاب کلام میر، مقدمہ، مولوی عبدالحق، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۹ء، ص: ۱

۵۔ میر تقی میر، کلیات میر (جلد اول)، مرتب: ظل عباس عباسی، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۳ء، ص: ۲۲۹

۶۔ ایضاً، ص: ۲۳۳

۷۔ ایضاً، ص: ۲۳۹

۸۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر (جلد اول)، ص: ۴۲۱

۹۔ ایضاً، ص: ۴۳۵

۱۰۔ ایضاً، ص: ۴۳۹

۱۱۔ ایضاً، ص: ۵۸۷

۱۲۔ ایضاً، ص: ۵۹۱

۱۳۔ ایضاً، ص: ۶۶۸

۱۴۔ ایضاً، ص: ۶۷۴

۱۵۔ میر تقی میر، نکاتُ الشعرا، مرتب: ڈاکٹر مولوی عبدالحق، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت ثانی، ۱۹۷۹ء، ص: ۷

۱۶۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، میر تقی میر (میر شناسی: منتخب مضامین)، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع اول، ۲۰۱۰ء، ص: ۷

۱۷۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد اول، مرتب ظل عباس عباسی، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۳ء، ص: ۷۴۷

۱۸۔ ایضاً، ص: ۸۲۲